OPEN ACCESS
ISSN (P): 2789-3820
ISSN (O): 2789-3839

Al-Āfāq Islamic Research Journal
http://alaafaqjournal.com/index.php/alaafaq/index
Vol. 04, Issue: 02, Dec-2024, PP: 33-44

الجامع از امام ترمذی میں اصطلاح "حسن صحیح" کا تحقیقی و تحلیلی جائزہ

A Research and Analytical Review of the Term "Ḥasan Ṣaḥīḥ" in Al-Jami' by Imam Tirmidhi

***Dr. Abdul Rahman**
Associate Lecturer, Department of Islamic Studies,
University of Gujrat, Gujrat, Pakistan.
onlyimran2010@gmail.com
****Naveed Ahmad**
PhD Scholar, Department of Hadith,
The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur, Pakistan.
nabashaar@gmail.com

Abstract:
Imam Tirmidhi holds a distinguished position among the scholars of Hadith, and his renowned compilation Al-Jāmi‘ al-Tirmidhi occupies a prominent place in the Hadith literature. As one of the eminent Imams of Hadith, he had extensive access to Hadith sources and significantly contributed to the development of Hadith terminology. He introduced several technical terms and classifications, and his scholarly stature is evident in his close association with great Hadith authorities, including his teacher Imam al-Bukhārī, who referred to him with high regard, even bestowing upon him the title of Amīr al-Mu'minīn fī al-Ḥadīth. One of Imam Tirmidhi's notable contributions is the use of the term "Ḥasan Ṣaḥīḥ", which continues to be a subject of scholarly debate. Although various scholars have attempted to interpret this term, its precise meaning remains a point of contention. Interestingly, references to this term can be found even prior to Imam Tirmidhi, but he appears to have employed it with a unique connotation. A thorough analysis of Al-Jāmi‘ al-Tirmidhi, along with the examination of the chains of transmission (isnāds) and the contexts in which Imam Tirmidhi uses the term, is crucial for understanding his intended meaning. This paper seeks to explore and clarify the usage of "Ḥasan Ṣaḥīḥ" in Imam Tirmidhi's methodology, highlighting the need for further critical research in this area.

Keywords: *Imam Tirmidhi, Hasan Sahih, Hadith Studies, Hadith Principles, Usool-e-Hadith.*

تعارف

امام ترمذی کا ائمہ حدیث کی صف میں بلند مقام و مرتبہ ہے، آپ کی کتاب جامع ترمذی کتب حدیث میں نمایاں مقام رکھتی ہے، امام ترمذی کا شمار ائمہ متقدمین میں ہوتا ہے، علوم حدیث پر بھی آپ خاصی دسترس رکھتے تھے۔ کئی ایک اصطلاحات کی بنیاد آپ نے رکھی، مجتہد مطلق کا درجہ رکھتے تھے، امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کے شاگرد خاص تھے۔ امام بخاری کے کئی ایک علمی شاہ پارے ہیں، جن کا واحد مصدر و مرجع جامع ترمذی اور العلل الکبیر للترمذی ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں کئی ایک اصطلاحات کو ذکر کیا ہے۔ بعض اصطلاحات ایسی بھی ہیں جن کی مراد واضح کرنے کی علمائے کرام نے کوشش کی ہے، اس میں مزید تحقیق و تنقید کی ضرورت اب بھی باقی ہے۔ ایسی ہی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح "حسن صحیح" ہے۔ اہل علم کے مابین اس کی وضاحت بھی ایک معمہ رہا ہے۔ کئی ایک علمائے کرام نے اپنے اپنے انداز میں اس کی وضاحت کی ہے، امام ترمذی سے قبل بھی اس اصطلاح کو محدثین کرام نے ذکر کیا ہے۔ امام صاحب کے ہاں اس کا اپنا ایک مفہوم ہے۔ جامع ترمذی کا اگر استقرائی جائزہ لیا جائے اور ان روایات کی اسناد اور متن کو دیکھا جائے جن کے بعد امام صاحب نے اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے تو

لازمی طور پر امام صاحب کی مراد محقق پر واضح ہو جاتی ہے۔

امام ترمذی سے قبل اہل علم کے ہاں اس اصطلاح کا استعمال

حاشیہ خیال پر ضرور یہ سوال نمودار ہوتا ہے کہ کیا امام ترمذی اس اصطلاح کے ذکر میں منفرد ہیں؟ حدیث اور علوم حدیث کی کتب پر مطالعہ کرنے سے یہ جواب مل جاتا ہے کہ امام ترمذی اس اصطلاح کو استعمال کرنے میں منفرد نہیں ہیں، بلکہ آپ سے پہلے بھی محدثین کی تحریرات میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام علی بن مدینی، امام بخاری اور امام یعقوب بن شیبہ جیسے جلیل القدر محدثین کے ہاں یہ اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔

امام ترمذی اپنی کتاب جامع ترمذی کی حدیث (رقم:۱۲۸) نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وسألت محمدا عن هذا الحديث، فقال: هو حديث حسن. وهكذا قال أحمد بن حنبل: هو حديث حسن صحيح"[1]

میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

جامع ترمذی کی حدیث (رقم:۳۲۳۵) نقل کرنے کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں:

"«هذا حديث حسن صحيح» سألت محمد بن إسماعيل، عن هذا الحديث، فقال: «هذا حديث حسن صحيح» "[2]

یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حافظ ابن ملقن نے امام علی بن مدینی سے نقل کیا ہے:

"حديث عائشة رضي الله عنها (أن النبي - صلى الله عليه وسلم - كان يصلي بعد العصر وينهى عنها) حديث حسن صحيح"[3]

حدیث عائشہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے اور اس سے لوگوں کو منع کرتے تھے) حسن صحیح ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے اپنے والد امام ابو حاتم سے ایک حدیث کے حوالے سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ حدیث صحیح حسن غریب ہے۔[4]

مذکورہ حوالہ جات کا مقصد یہی بات ثابت کرنا ہے کہ امام ترمذی سے قبل بھی محدثین کے مابین "حسن صحیح" کی اصطلاح معروف تھی، لہٰذا امام صاحب اس کو نقل کرنے میں منفرد نہیں ہیں۔

امام ترمذی کی اصطلاح حسن صحیح کے بارے میں اہل علم کی آراء:

امام ترمذی کی اصطلاح "حسن صحیح" کے بارے میں اہل علم نے مختلف جوابات دیے ہیں، اہم جوابات اور آراء درج ذیل ہیں:

حافظ ابن الصلاحؒ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"في قول الترمذي وغيره: " هذا حديث حسن صحيح " إشكال، لأن الحسن قاصر عن الصحيح، ففي الجمع بينهما في حديث واحد جمع بين نفي ذلك القصور وإثباته وجوابه: أن ذلك راجع إلى الإسناد، فإذا روي الحديث الواحد بإسنادين: أحدهما إسناد حسن، والآخر إسناد صحيح استقام أن يقال فيه: إنه حديث حسن صحيح، أي إنه حسن بالنسبة إلى إسناد، صحيح بالنسبة إلى إسناد آخر. "[5]

امام ترمذی وغیرہ کے قول: "حدیث حسن صحیح" میں اشکال پایا جاتا ہے، کیونکہ حسن صحیح کے درجہ سے کم تر ہے، دونوں

کو ایک حدیث میں جمع کرنے سے اس کمی کی نفی اور اثبات دونوں لازم آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم سند کی طرف راجع ہے، جب ایک حدیث دو سندوں سے مروی ہو تو ایک سند حسن اور دوسری سند صحیح کے درجہ کی ہو تو اس پر حسن صحیح کا حکم لگانا ٹھیک ہو گیا۔ یعنی وہ حدیث ایک سند کی نسبت سے حسن اور دوسری سند کی نسبت سے صحیح ہے۔

تنقیدی جائزہ:

اس وضاحت پر درج ذیل اعتراضات لازم آتے ہیں:

اول: امام ترمذی کی تعریف سے واضح ہے کہ آپ سند کے ساتھ متن کو بھی مد نظر رکھتے ہوئے حکم لگاتے ہیں، بلکہ آپ کے زیادہ تر حکم حدیث کے متن پر ہوتے ہیں۔ تب یہ جواب قابل اعتراض ہے۔ دوم: بعض اوقات کسی روایت کی ایک ہی سند ہوتی ہے، تب بھی امام صاحب ایسا حکم لگاتے ہیں، تب بھی یہ جواب محل نظر ٹھہرتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن دقیق العید اس جواب پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"فيرد عليه الأحاديث التي قيل فيها حسن صحيح مع أنه ليس لها إلا مخرج واحد ووجهة واحدة وإنما يعتبر اختلاف الأسانيد بالنسبة إلى المخارج وهذا موجود في كلام أبي عيسى الترمذي في مواضع يقول هذا حديث حسن صحيح لا نعرفه إلا من هذا الوجه أو لا نعرفه إلا من حديث فلان"[6]

اس سے ایک اعتراض لازم آئے گا کہ امام ترمذی نے بعض ایسی احادیث کو بھی حسن صحیح کہا ہے جو کہ ایک ہی طریق سے ہیں، سند کا مختلف ہونا تب ہی معتبر ہو گا، جب حدیث کا مخرج مختلف ہو، امام ترمذی کی کلام میں کئی جگہ یہ بات موجود ہے کہ حدیث حسن صحیح ہے، ہم اسے صرف ایک ہی طریق سے جانتے ہیں۔ یا یوں کہتے ہیں۔ ہم اسے صرف فلاں کی حدیث سے جانتے ہیں۔

حافظ ذہبی بھی اسی طرح اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وأجيب عن هذا بشيء لا ينهض أبدا. وحينئذ لو قيل: (حسن، صحيح، لا نعرفه إلا من هذا الوجه) ، لبطل هذا الجواب!"[7]

ابن الصلاح کا جواب بالکل غیر مفید ہے، کیونکہ جب یہ کہا جائے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ہم اسے صرف اسی طریق سے جانتے ہیں تو یہ اعتراض خود بخود باطل ہو جائے گا۔

حافظ ابن الصلاح اس کا دوسرا جواب بایں الفاظ دیتے ہیں:

"على أنه غير مستنكر أن يكون بعض من قال ذلك أراد بالحسن معناه اللغوي، وهو: ما تميل إليه النفس ولا يأباه القلب، دون المعنى الاصطلاحي الذي نحن بصدده"

یہ قابل اعتراض بات نہیں ہے کہ بعض علمائے کرام نے حسن سے لغوی حسن مراد لیا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کی طرف نفس مائل ہو اور دل اس کا انکار نہ کرے۔ ہم جس حسن اصطلاحی کو بیان کر رہے ہیں، وہ امام ترمذی کی مراد نہیں ہے۔

تنقیدی جائزہ:

اس وضاحت پر درج ذیل اعتراضات لازم آتے ہیں:

روایات تو ساری ہی اچھی حسان، دلوں کی اچھی لگنے والی اور خوبصورت ہیں، خواہ ان کا تعلق احکام سے ہو یا رقائق وغیرہ سے جیسا کہ علامہ ابن سید الناس ردّ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وهو أبعد مِن الأول، إذ كل حديث رسول الله - صلى الله عليه وسلم - حَسَن، سواء كان في الأحكام أو الرقائق أو غيرهما"[8]

یہ تو پہلے جواب سے بھی زیادہ حقیقت سے دور ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری احادیث ہی حسان ہیں، خواہ ان کا تعلق احکام سے ہو یا باب الرقائق وغیرہ سے۔

حافظ ابن حجر بڑا علمی ردّ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"فإن كل أحاديث النبي صلى الله عليه وسلم حسنة الألفاظ بليغة، فلما رأينا الذي وقع هذا في كلامه كثيرا يفرق، فتارة يقول: ((حسن)) ويطلق، وتارة يقول: ((صحيح)) فقط، وتارة يقول: ((حسن صحيح))، وتارة يقول: ((صحيح غريب)) ونحو ذلك، عرفنا أنه لا محالة جار مع الاصطلاح، وأيضا فهو قد قال في "العلل" في آخر كتابه: ((وماقلنا في كتابنا حديث حسن، فإنما أردنا به حسن إسناده عندنا)) فقد صرح بأنه إنما أراد حسن الإسناد، فانتفى أن يريد حسن اللفظ"[9]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث اچھی اور بلیغ الفاظ والی ہیں، جب ہم نے دیکھا کہ امام ترمذی اپنی ہی کلام کو بڑے فرق سے بیان کرتے ہیں، کبھی حسن کہتے ہیں، کبھی صحیح قرار دیتے ہیں، کبھی حسن صحیح کہتے ہیں اور کبھی صحیح غریب کہتے ہیں اور اس جیسی دیگر اصطلاحات کو استعمال کرتے ہیں۔ ہم نے جان لیا کہ امام ترمذی لازمی طور کوئی اصطلاح استعمال کر رہے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ انہوں نے خود العلل الصغیر میں کہا ہے کہ ہم اپنی کتاب میں جس حدیث کو حسن کہتے ہیں تو ہماری مراد اس سے سند کا حسن ہے۔ امام صاحب یہاں وضاحت خود کر دی ہے کہ ہماری مراد یہاں حسن سند ہے نہ کہ حسن لفظ۔ تو اس سے ابن الصلاح کا جواب باطل ٹھہرتا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے ایک دوسرے زاویے سے ابن الصلاح پر ردّ کیا ہے کہ اگر ابن الصلاح یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دلوں کو چھو لینے والی اور خوش کر دینے والی روایات حسن صحیح کہا ہے، اس میں حسن کا معنی لغوی اور صحیح کا اصطلاحی مفہوم مراد ہے۔ حافظ ابن کثیر ان پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وفي هذا نظر أيضاً، فإنه يقول ذلك في أحاديث مروية في صفة جهنم، وفي الحدود والقصاص، ونحو ذلك"[10]

یہ جواب محل نظر ہے، کیونکہ اوصاف جہنم، حدود و قصاص اور اس جیسے دیگر ڈرا دینے والے مضامین کی مرویات کو بھی امام صاحب نے حسن صحیح کہا ہے (تو ان میں دلوں کو چھو لینے والا معنی کہاں پایا جاتا ہے؟)

علامہ ابن دقیق العید اس بارے لکھتے ہیں:

"والذي أقول في جواب هذا السؤال أنه لا يشترط في الحسن قيد القصور عن الصحيح وإنما يجيئه القصور ويفهم ذلك فيه إذا اقتصر على قوله حسن فالقصور يأتيه من قيد الاقتصار لا من حيث حقيقته وذاته"[11]

اس سوال کے بارے میں میرا کہنا ہے کہ حسن میں امام ترمذی صحیح سے کم درجہ ہونے کی شرط نہیں لگاتے، البتہ جب وہ مجرد حسن کہتے ہیں تو پھر قصور کو واضح کرنا مقصد ہوتا ہے، حالانکہ محض حسن کی حقیقت اور ذات سے قصور واضح نہیں ہوتا۔

تنقیدی جائزہ:

اس جواب پر ردّ کرتے ہوئے علامہ زرکشی کہتے ہیں:

"ما ادعاه من أن كل صحيح حسن ممنوع فإن الصحيح الذي ليس له إلا راو واحد كما سيأتي ليس بحسن لأن شرط الحسن أن يروى من غير وجه كما تقدم"[12]

ابن دقیق العید کا یہ دعویٰ کہ ہر حسن صحیح ہے تو یہ بات درست نہیں، کیونکہ وہ صحیح جس کا صرف ایک ہی راوی ہو، وہ

حسن نہیں ہے، کیونکہ امام ترمذی کے مطابق حسن کی شرط یہ ہے کہ وہ حدیث کسی دوسرے طریق سے بھی مروی ہو۔

البتہ حافظ ابن حجر اس جواب پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"هذا الجواب من التعقيب لكان أقرب إلى المراد من غيره، وإني لأميل إليه وأرتضيه"[13]

ابن دقیق کا یہ جواب باقیوں کی بہ نسبت امام ترمذی کی مراد سے سب سے زیادہ قریب ہے، میرا اپنا میلان بھی اسی طرف ہے اور میں اس پر راضی ہوں۔

حافظ ابن حجر کا اس جواب پر اطمینان کا اظہار کرنا باعث حیرانگی ہے، کیونکہ حافظ کے اپنے ذکر کردہ اعتراضات ہی اس جواب پر وارد ہوتے ہیں، دوسرا جن احادیث کو امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے، حافظ اس بارے میں خود توقف کا اظہار کرتے ہیں۔ لازمی طور پر حافظ اس نکتہ نظر کو بیان کرنے میں جلدی کر گئے ہیں اور یہ بات ان کی شان وعظمت سے مطابقت نہیں رکھتی۔[14]

حافظ ابن کثیر اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والذي يظهر لي: أنه يشرب الحكم بالصحة على الحديث كما يشرب الحسن بالصحة. فعلى هذا يكون ما يقول فيه " حسن صحيح " أعلى رتبة عنده من الحسن، ودون الصحيح، ويكون حكمه على الحديث بالصحة المحضة أقوى من حكمه عليه بالصحة مع الحسن"[15]

مجھ پر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ امام ترمذی صحیح کے حکم کو حسن کے حکم کے ساتھ ملا دیتے ہیں تو اس بنیاد پر "حسن صحیح" کا حکم مجرد حسن سے اعلیٰ اور مجرد صحیح سے کم تر ہے، جب امام ترمذی کسی حدیث کو محض صحیح کہتے ہیں تو وہ حسن صحیح کے حکم سے زیادہ قوی ہو گا۔

تنقیدی جائزہ:

اس جواب پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

اول: حافظ ابن کثیر کے جواب سے تو لازم آتا ہے کہ جامع ترمذی میں صحیح احادیث بہت کم ہیں، کیونکہ امام ترمذی محض صحیح کا حکم بہت کم استعمال کرتے ہیں اور اس کی بہ نسبت حسن صحیح کا حکم زیادہ ذکر کرتے ہیں۔ دوم: امام ترمذی متفق علیہ صحیح روایات کو بھی اکثر حسن صحیح کہہ دیتے ہیں اور اصح الاسانید کو بھی حسن صحیح کہہ دیتے ہیں۔ تب اس جواب کا بطلان اچھی طرح واضح ہے۔ سوم: جامع ترمذی کی احادیث کا اگر استقرائی جائزہ لیا جائے اور حسن صحیح اور صحیح کے حکم والی احادیث کا موازنہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ محض صحیح کے حکم والی احادیث سے "حسن صحیح" کے حکم والی احادیث زیادہ قوی ہیں۔ چہارم: حافظ ابن کثیر کے جواب سے تو محدثین کا اجماع بھی ختم ہوتا نظر آرہا ہے، کیونکہ انہوں نے حسن صحیح کو صحیح اور حسن کے درمیان ایک مستقل قسم کا درجہ دے دیا ہے۔ ابن کثیر کے علاوہ اس مؤقف کا کوئی قائل نہیں۔ پنجم: حافظ ابن رجب نے اس جواب کو "ھذا بعید جدا" کہا ہے۔[16] ششم: حافظ عراقی ان پر ردّ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وهذا الذي ظهر له تحكم لا دليل عليه وهو بعيد من فهم معنى كلام الترمذي والله أعلم."[17]

حافظ ابن کثیر پر جو جواب منکشف ہوا ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور وہ امام ترمذی کی اصل مراد سے بہت دور ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

"أقول: وظهر لي توجيهان آخران: أحدهما: أن المراد حسن لذاته صحيح لغيره، والآخر: أن المراد حسن باعتبار إسناده، صحيح أي أنه أصح شيء ورد في الباب، فإنه يقال: أصح ما ورد كذا وإن كان حسنا أو ضعيفا، والمراد أرجحه أو أقله ضعفا"[18]

میرا کہنا ہے کہ میرے لیے اس کی دو توجیہات ظاہر ہوئی ہیں: اول: حسن باعتبار ذات اور صحیح باعتبار غیر ہے۔ دوم:

حسن باعتبار سند اور صحیح اس اعتبار سے ہے کہ اس باب میں سب سے صحیح یہی روایت ہے، کیونکہ کسی حسن اور ضعیف روایت کے بارے بھی میں کہا جاتا ہے کہ یہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ تو اس سے مراد راجح اور کم ضعف مراد ہوتا ہے۔

تنقیدی جائزہ:

اس جواب پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

اول: حافظ سیوطی کے جواب سے لازم آتا ہے کہ امام ترمذی جب حسن صحیح کہتے ہیں تو حسن کا حکم حسن لذاتہ کے قبیل ہوتا ہے اور یہ بات درست نہیں، کیونکہ امام ترمذی تو متفق علیہ صحیح روایات کو بھی حسن صحیح کہتے ہیں، حالانکہ وہ تو حسن لذاتہ کے درجہ سے بلند ہوتی ہیں۔ دوم: حافظ سیوطی کی دوسری توجیہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے صحیح کو اپنے اصل معنی سے ہٹا کر اصح مراد لیا ہے اور امام ترمذی کی اصطلاحات کا باریکی سے جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صحیح کو اس اصح کے معنی میں استعمال نہیں کیا اور کم ضعف یا باب میں راجح روایت کے لیے اصح کی اصطلاح ہی استعمال کرتے ہیں۔ سوم: حافظ سیوطی کا جواب امام ترمذی کی اصل مراد سے بہت دور ہے، کیونکہ جامع ترمذی کی بہت ہی کم روایات پر اس جواب کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اصطلاح میں اکثر اور غالب پہلو کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔

شیخ محمد عبد الرزاق حمزہ اس ضمن میں ہیں:

"أوقعهم في الحيرة جعلهم الحسن قسيم الصحيح فورد عليهم وصف الترمذي لحديث واحد بأنه حسن صحيح فأجاب كل بما ظهر له، والذي يظهر: أن الحسن في نظر الترمذي أعم من الصحيح، فيجامعه وينفرد عنه، وأنه في معنى المقبول المعمول به، الذي يقول مالك في مثله: "وعليه العمل ببلدنا". و ما كان صحيحا و لم يعمل به لسبب من الاسباب يسميه الترمذى صحيحا فقط، وهو مثل ما يرويه مالک فى موطاه و يقول عقبه: و ليس عليه العمل. وكأن غرض الترمذي أن يجمع في كتابه بين الأحاديث وما أيدها من عمل القرون الفاضلة من الصحابة ومن بعدهم، فيسمي هذه الأحاديث المزيدة بالعمل حسانا، سواء صحت أو نزلت عن درجة الصحة، وما لم تتأيد بعمل لا يصفها بالحسن وإن صحت"[19]

محدثین کرام نے حسن کو صحیح کے مد مقابل بنا کر حیرت میں ڈال دیا ہے تو امام ترمذی کا ایک ہی حدیث کو حسن صحیح کہہ دینے سے ان پر اعتراض وارد ہوتا ہے، ہر ایک نے اپنے فہم کے مطابق اس کا جواب دیا۔ مجھے یہ بات سمجھ آئی ہے کہ امام ترمذی کی نظر میں صحیح کی بہ نسبت حسن عام ہے، وہ صحیح کے ساتھ جمع بھی ہو سکتا ہے اور منفرد بھی ہو سکتا ہے، حسن یہاں معمول بہ اور مقبول کے معنی میں ہے، یہ بالکل اسی طرح ہے، جیسے امام مالک "وعلیہ العمل ببلدنا" (ہمارے شہر کے لوگوں کا اسی کے مطابق عمل ہے) کہتے ہیں۔ جب کسی حدیث پر کسی سبب کی وجہ سے عمل نہیں ہوتا ہے تو امام صاحب اس کو صرف صحیح کہتے ہیں، یہ بالکل اسی طرح ہے، جیسا کہ امام مالک کسی روایت کے بعد موطا میں کہتے ہیں کہ اس حدیث پر عمل نہیں ہے۔ گویا کہ امام ترمذی کی مراد ہے کہ اپنی کتاب میں ان احادیث کو جمع کیا جائے جن پر قرون فاضلہ اور ان کے بعد کے لوگوں کا عمل ہو تو اس بنا پر معمول بہ روایات کو وہ حسن کا نام دیتے ہیں، خواہ ہو صحیح ہوں یا صحیح سے کم درجہ کی، جو روایات معمول بہ نہ ہوں تو وہ ان کو حسن نہیں کہتے، اگرچہ وہ صحیح کے درجہ کی ہوں۔

تنقیدی جائزہ

اس جواب پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

اول: امام ترمذی نے جب خود حسن کی تعریف کر دی ہے تو ان کے خلاف شیخ محمد عبد الرزاق حمزہ کی اپنی الگ تعریف کرنا درست نہیں۔ اس کی

وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شیخ نے حافظ ابن کثیر کی موافقت میں ایسا کہہ دیا ہے، کیوں ان کا بھی کہنا ہے کہ امام ترمذی نے دراصل حسن کی تعریف نہیں کی۔ کیونکہ خود حافظ ابن کثیر نے اس تعریف کو العلل الصغیر میں نہیں دیکھا اور اس پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ دوم: امام ترمذی نے خود العلل الصغیر میں کہہ دیا ہے کہ میری کتاب دو روایات کے علاوہ باقی ساری روایات معمول بہ ہیں اور ان دونوں روایات پر امام ترمذی نے حسن اور صحیح میں سے کوئی بھی حکم نہیں لگایا۔ شیخ عبد الرزاق کے قول کے مطابق تو امام ترمذی کو اس دو روایات کو صرف صحیح کہنا چاہئے تھا۔ سوم: شیخ حمزہ نے یہاں امام ترمذی کے موقف کو بھی واضح نہیں کیا کہ جب علمائے کرام اس کے معمول بہ غیر معمول بہ کے ہونے میں اختلاف کریں تو پھر اس حدیث کا کیا حکم ہو گا۔ چہارم: جامع ترمذی میں کئی ایک احادیث کو امام صاحب نے صرف صحیح کہا ہے اور وہ معمول بہ بھی ہیں۔ شیخ ناصر الدین البانی نے بھی شیخ محمد عبد الرزاق حمزہ کے اس مؤقف کا رڈ کیا ہے۔[20]

معروف مصری محقق علامہ احمد محمد شاکر کہتے ہیں:

> "الذي أراه أن كل هذه الأجوبة عن قول الترمذي" حسن صحيح" عقب أحاديث كثيرة في سننه فيها تكلف ظاهر، وتقييد له باصطلاح لعله لم يتقيد به، وما أظنه يريد بهذا إلا تأكيد صحة الحديث بالترقي من الحسن إلى الصحة"[21]
>
> امام ترمذی کی اصطلاح: حسن صحیح کے حوالے سے جتنے بھی جوابات دیے گئے ہیں تو یہ سب تکلف سے خالی نہیں ہیں، نیز امام ترمذی کی طرف ایسی اصطلاح کو منسوب کرنا ہے جو انہوں نے اختیار نہیں کی۔ میری رائے کے مطابق صحیح کے ساتھ حسن کو ملحق کرنے سے امام صاحب کا مقصد حسن روایت کا صحیح کی طرف بلند ہونے کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

تنقیدی جائزہ

اس جواب پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

اول: حافظ ابن حجر نے بعض متاخرین نے اس قول کو نقل کر کے رڈ کیا ہے۔[22] دوم: محقق احمد شاکر کی اس توجیہ سے تو حسن کی اصطلاح کو نظر انداز کر دینا لازم آتا ہے۔ سند کی ترقی و بلندی کو بھی واضح نہیں کیا کہ اس سے کیا مراد ہے، کیا ان کے نزدیک پہلے حدیث حسن تھی۔ بعد میں وہ صحیح کی طرف بلند ہوئی۔ سوم: علامہ احمد شاکر نے پہلے علمائے کرام کے جوابات کو مطلق طور پر رد کر دینا ناانصافی ہے، ان میں بعض جوابات کافی حد تک درست ہیں۔ البتہ یہ کہہ سکتے تھے کہ ان میں کافی شافی وضاحت نہیں ہے۔ چہارم: محقق العصر ناصر السنہ شیخ ناصر الدین البانی نے اس جواب کو امام ترمذی کی مراد متناقض قرار دیا ہے۔([23]

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

> "فإن جُمِعا، أي الصحيحُ والحسنُ، في وصفٍ واحدٍ، كقول الترمذي وغيره: "حديثٌ حسنٌ صحيحٌ"، فللتردد الحاصل من المجتهد في الناقل: هل اجتمعتْ فيه شروط الصحة أو قَصُرَ عنها، وهذا حيث يَحْصل منه التفرد بتلك الرواية. وعُرِفَ بهذا جوابُ مَنِ استشكلَ الجمعَ بين الوصفين؛ فقال: الحَسَنُ قاصرٌ عن الصحيحِ؛ ففي الجمع بين الوصفين إثباتٌ لذلك القصورِ ونَفْيُهُ! ومُحَصَّل الجواب: أنّ تردُّدَ أئمة الحديث في حال ناقلِهِ اقتضى للمجتهد أن لا يصفه بأحدِ الوصفين، فيُقال فيه: حَسَنٌ باعتبار وصْفِهِ عند قومٍ، صحيحٌ باعتبارِ وصْفِهِ عند قومٍ، وغايةُ ما فيه أنه حُذِف منه حرفُ التردد؛ لأنّ - حقه أن يقول: "حسنٌ أو صحيحٌ"، وهذا كما حُذِفَ حرف العطف مِن الذي بعده وعلى هذا فما قيل فيه: "حسنٌ صحيحٌ" دون ما قيل فيه: "صحيحٌ"؛ لأن الجزمَ أقوى مِن التردد، وهذا حيث التفرد. وإلا إذا لم يحصل التفرد فإطلاق الوصفين معاً على الحديث يكون باعتبارِ إسنادين: أحدُهما صحيحٌ، والآخر حسنٌ.وعلى هذا فما قيل فيه: "حسن صحيح" فوقَ ما قيل فيه: "صحيح" فقط-إذا كان فرداً- لأن كثرة الطرق تقوّي."[24]

اگر ایک ہی حدیث میں حسن اور صحیح دونوں وصف جمع ہو جائیں جیسا کہ امام ترمذی کا قول "حدیث حسن صحیح" ہے۔ یہ راوی کے بارے میں مجتہد کے تردد کے سبب ہے کہ اس راوی میں صحیح کی شروط پوری ہو گئی ہیں یا نہیں؟ ایسا تب ہوتا ہے کہ جب راوی روایت میں منفرد ہو، یہ جواب ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے حسن اور صحیح دونوں وصفوں کو جمع کرنے پر اعتراض کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ صحیح کی بہ نسبت حسن کا درجہ کم ہے، دونوں وصفوں کو یکجا کرنے سے قصور کی نفی اور اثبات ایک ساتھ لازم آتا ہے۔ جواب کا ماحصل یہ ہے کہ علمائے کرام کا راوی کے بارے میں اختلاف تقاضا کرتا ہے کہ مجتہد کسی راوی کو کسی ایک وصف کے ساتھ متصف نہ کرے، بلکہ وہ اس بارے میں کہے یہ راوی ایک قوم کے نزدیک حسن اور دوسری محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔ درمیان میں سے حرف تردد محذوف ہیں۔ حقیقت میں انہیں "حسن اَو صحیح" کہنا چاہئے تھا۔ گویا کہ یہاں حرف عطف حذف ہے۔ اس بنیاد پر حسن کا مرتبہ صحیح سے کم ہو گا، کیونکہ جزم تردد سے قوی ہوتا ہے، یہ تفرد کی صورت میں ہو گا۔ اگر تفرد نہ ہو تو پھر ایک حدیث پر دونوں وصفوں کا ایک ساتھ اطلاق دو سندوں کے اعتبار سے ہے، ایک سند کے اعتبار سے صحیح اور دوسری سند کے اعتبار سے حسن ہے۔ اس بنیاد پر حسن صحیح کا مرتبہ محض صحیح سے اعلیٰ ہو گا، کیونکہ کثرت طرق کی وجہ سے حدیث کو تقویت ملتی ہے۔

حافظ کے تلمیذ علامہ برھان الدین بقاعی نے اپنے شیخ کے جواب پر رضامندی کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس جواب پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔[25] ڈاکٹر نور الدین نے بھی حافظ ابن حجر کی اسی رائے کو اختیار کیا ہے، البتہ اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ جب روایت کے متعدد طرق ہوں تو تب امام صاحب حسن صحیح کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، جب فرد نسبی اور فرد مطلق کی طرف اشارہ کرنا ہے تو اس کے لیے حسن صحیح غریب کہتے ہیں۔[26]

اس جواب اور اس کی تائید پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

اول: امام ترمذی جب کسی حدیث پر حکم لگاتے ہیں تو اپنی ترجیح کو مد نظر رکھتے ہیں، اہل علم کے اختلاف کو نہیں دیکھتے، جیسا کہ خود حافظ ابن حجر نے بھی بعض متاخرین پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے: "اِنما یحکم علی الحدیث بالنسبۃ اِلی ما عندہ لا بالنسبۃ اِلی غیر" امام ترمذی اپنی رائے کے مطابق حدیث پر حکم لگاتے ہیں، دوسروں کے اختلاف کے پیش نظر نہیں۔ دوم: حافظ ابن حجر نے جو کہا ہے کہ راوی کے بارے میں متردد ہونے کی وجہ سے یہ حکم لگاتے ہیں، اس پر انہوں نے کوئی دلیل اور قرینہ پیش کیا نہیں۔ ڈاکٹر نور الدین نے حافظ کے لیے جامع ترمذی میں شاہد تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، مگر وہ محل نظر ہے۔ سوم: راوی جب کسی حدیث کے موقوف اور مرفوع ہونے سے متعلق اختلاف کریں اور اس کی سند بھی صحیح ہو تو امام صاحب حدیث کو صحیح کہنے کی بجائے حسن کہہ دیتے ہیں اور اس بات کی تصدیق خود حافظ ابن حجر نے بھی کی ہے، تب تردد کی صورت میں حسن اور حسن صحیح کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں رہتا۔ چہارم: حافظ ابن حجر اور ڈاکٹر نور الدین عتر کی بات کا خلاصہ ہے کہ امام ترمذی جب محض صحیح کہتے ہیں تو اس سے مراد صحیح لذاتہ ہوتی ہے اور حسن صحیح سے زیادہ قوی حکم ہے، یہ تب ہے کہ جب راوی کا تفرد ہو۔ یہ بات بھی دو وجہوں سے صحیح نہیں ہے۔

پہلی وجہ: جامع ترمذی کی احادیث اور ان پر تحکیمات کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ وہ صحیح لذاتہ جس کے شواہد نہ ہوں اور وہ صحیح لغیرہ جس کے شواہد ہوں تو صحیح لذاتہ کے صحیح اور صحیح لغیرہ کے لیے حسن صحیح کو خاص نہیں کرتے۔

دوسری وجہ: جامع ترمذی کی احادیث کو دیکھا جائے تو جن احادیث پر امام صاحب نے صرف صحیح اور صحیح غریب کا حکم لگایا ہے، ان میں سے بعض کی اسناد بھی محل نظر ہیں تو حافظ کا یہ کہنا کہ حسن صحیح کے حکم میں امام صاحب کو کسی راوی کے بارے میں شک اور تردد ہوتا ہے اور مجرد

صحیح کے حکم میں یقین ہوتا ہے اور مجرد صحیح کا حکم حسن صحیح سے اقوی ہے تو جب مجرد صحیح کے حکم والی بعض روایات کی اسناد ہی محل نظر ہیں تو یہ حسن صحیح سے اقویٰ حکم کہاں سے ہو گیا؟

اہل علم کے اختلاف اور خطا کا سبب

امام ترمذی کی اصل مراد کو واضح کرنے کے لیے اہل علم میں جو اختلاف اور توضیح میں کمزوری ہے، اس کی تین وجوہات ہیں:

اول: اہل علم نے نظری انداز سے امام صاحب کی اصطلاح کا جائزہ لیا ہے۔ استقرائی، عملی اور تطبیقی پہلو کو نظر انداز کیا گیا ہے، حالانکہ کسی معاملے کی اصل حقیقت کو جاننے کے لیے دونوں پہلوؤں سے جائزہ لینا از بس ضروری ہے۔ دوم: حسن اور صحیح کی تعاریف میں جو فرق ہے اور محدثین نے جو اس کے اطلاقات میں کچھ اختلاف کیا ہے، صحیح مراد تک نہ پہنچنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ سوم: جامع کی اصطلاحات کی حقیقت کو معلوم کرنے لیے اگر بعض نے استقرائی جائزہ لیا بھی ہے تو طائرانہ اور سرسری نگاہ ڈالی ہے، گہرائی اور عمیق نظر سے جائزہ نہیں لیا گیا۔

مختار رائے:

امام ترمذی کی اصطلاح ''حسن صحیح'' کو اگر دیکھا جائے اور جامع ترمذی میں جہاں جہاں یہ اصطلاح استعمال ہوئی ہے، اس کا استقرائی اور تطبیقی انداز سے مطالعہ کیا جائے تو امام ترمذی کی ''حسن صحیح'' سے مراد یہ واضح ہوتی ہے کہ جو روایت امام صاحب کے نزدیک ثابت اور مقبول ہوتی ہے، وہاں اس اصطلاح کا استعمال کرتے ہیں، خواہ وہ روایت اصح الاسناد سے منقول ہو یا شروط قبول کے ادنیٰ درجہ سے نقل کی گئی ہو۔ جن مختلف درجات کی روایات کو امام صاحب نے حسن صحیح کہا ہے، اس کی درج ذیل مختلف اقسام ہیں:

نوع اول: صحت کے اعتبار سے متفق علیہ روایات اور اصح الاسانید سے مروی روایات۔ جیسا کہ مالک عن نافع عن ابن عمر کی سند ہے۔

نوع دوم: پہلی قسم سے درجہ میں کم اسناد۔ اہل علم کی ایک جماعت نے انہیں حسن کہا ہے اور امام ترمذی نے ان پر صحیح کا حکم لگایا ہے۔

نوع ثالث: وہ روایات جن کی اسناد پر امام صاحب کلام کیا ہے، مگر اس کی سند کو حسن صحیح بھی کہا ہے۔ اس کی دو مثالیں درج ذیل ہیں:

پہلی مثال: امام صاحب نے ایک روایت نقل کی ہے:

> ''حدثنا محمد بن عمر بن الوليد الكندي الكوفي قال: حدثنا المفضل بن صالح، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:اشتكت النار إلى ربها وقالت: أكل بعضي بعضا، فجعل لها نفسين، نفسا في الشتاء، ونفسا في الصيف، فأما نفسها في الشتاء فزمهرير، وأما نفسها في الصيف فسموم''

اس کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں:

> ''«هذا حديث حسن صحيح، قد روي عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم من غير وجه والمفضل بن صالح ليس عند أهل الحديث بذلك الحافظ» ''[27]

اب اس حدیث کے راوی مفضل بن صالح کے بارے میں خود فرمارہے ہیں کہ محدثین کے نزدیک یہ حافظ نہیں ہے۔ امام بخاری نے بھی اس ''منکر الحدیث'' کہا ہے۔ ظاہراً ایسے لگتا ہے کہ یہ ہمارے اخذ کردہ نتیجہ اور اختیار کردہ رائے کے خلاف ہے کہ ثابت اور مقبول روایت پر ہی وہ اس اصطلاح کو استعمال کرتے ہیں تو لازمی طور پر دوسرے طریق سے یہ روایت امام صاحب کے نزدیک ثابت ہے، اس لیے آپ نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ حدیث دوسرے طریق سے بھی مروی ہے۔ محققین کا حکم بھی اس پر مضبوط شاہد ہے۔

دوسری مثال: امام صاحب ایک روایت کو بایں الفاظ نقل کرتے ہیں:

"حدثنا أبو حاتم البصري الأنصاري مسلم بن حاتم قال: حدثنا محمد بن عبد الله الأنصاري، عن أبيه، عن علي بن زيد، عن سعيد بن المسيب، عن أنس بن مالك، قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: «يا بني إذا دخلت على أهلك فسلم يكون بركة عليك وعلى أهل بيتك»" اس کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں: "«هذا حديث حسن صحيح غريب»"[28]

اب اس روایت کی سند میں ایک راوی علی بن زید موجود ہے، جس پر امام صاحب نے خود جامع ترمذی میں کئی مقامات پر جرح کر رکھی ہے تو کیا پھر یہ ہماری اخذ کردہ رائے کے برعکس ہے تو اس کے درج ذیل جوابات ہیں:

اول: سند میں اگرچہ ضعف ہے لیکن روایت کا معنی و مفہوم اور مضمون امام صاحب کے نزدیک ثابت ہے، خواہ شروط قبول کے ادنیٰ درجہ سے ہی منقول ہے۔

دوم: جامع ترمذی کے کچھ نسخوں میں صرف "حسن غریب" کا حکم ہے، جیسا کہ مشہور محقق عواد معروف بشار اور مصری محقق علامہ محمد احمد شاکر کے نسخے ہیں۔

سوم: حدیث کا مضمون تو قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے:

فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً[29]

جب تم گھروں کو جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کر لیا کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ خیر، بابرکت اور پاکیزہ (کلمہ) ہے۔

چہارم: علی بن زید بن جدعان اگرچہ ضعیف راوی ہے لیکن اس کا ضعف شدید نہیں، کیونکہ امام مسلم نے بھی اس سے روایت لی ہے اور حجت پکڑی ہے، اس لیے امام ترمذی نے بھی نرمی کرتے ہوئے اسے جامع ترمذی میں "صدوق" کہا ہے۔[30]

نتائج البحث:

1 امام ترمذی کی اصطلاح "حسن صحیح" کے بارے میں اہل علم کی آٹھ مختلف آرا سامنے آئی ہیں، جن سب سے امام ترمذی کی صحیح مراد واضح نہیں ہوتی۔

2 متعدد اہل علم سے یہ تسامح ہوا ہے کہ انہوں نے جامع الترمذی کا زیادہ تر نظری حوالے سے جائزہ لیا ہے اور حسن روایت کی عمومی طور پر جو متاخرین نے تعریف کی ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے رائے قائم کر دی ہے، استقرائی اور تطبیقی حوالے سے جائزہ نہیں لیا۔

3 پیشِ نظر تحقیقی مقالہ میں نظری طریقے کے ساتھ جب استقرائی اور تطبیقی انداز سے اس اصطلاح کا جائزہ لیا گیا ہے تو ہمارے سامنے امام ترمذی کی اصل مراد یہ واضح ہوئی ہے کہ جو روایت امام صاحب کے نزدیک ثابت اور مقبول ہوتی ہے، وہاں اس اصطلاح کا استعمال کرتے ہیں، خواہ وہ روایت اصح الاسناد سے منقول ہو یا شروط قبول کے ادنیٰ درجہ سے نقل کی گئی ہو۔

@ 2024 by the author, this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC-BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)

حوالہ جات

[1] محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، تحقیق: احمد محمد شاکر (مصر: مکتبہ مصطفی البابی الحلبی، 1975)، 1:221۔

Muḥammad ibn ʻĪsā al-Tirmidhī, Jāmiʿ al-Tirmidhī, ed. Aḥmad Muḥammad Shākir (Cairo: Maktabat Muṣṭafá al-Bābī al-Ḥalabī, 1975), 1:221.

[2] ایضاً، 5:368۔

Ibid.: 5: 368.

[3] عمر بن علی ابنِ مُلقّن، البدر المنیر (ریاض: دار الھجرۃ للنشر والتوزیع، 2004)، 3:298۔

ʿUmar ibn ʿAlī Ibn al-Mulaqqin, al-Badr al-Munīr (Riyadh: Dār al-Hijrah li-al-Nashr wa-al-Tawzīʿ, 2004), 3:298

[4] عبد الرحمن بن محمد ابنِ ابی حاتم، علل الحدیث (مکہ مکرمہ: مطابع الحمیضی، 2006)، 3:450، حدیث: 1001۔

ʿ Abd al-Raḥ mān ibn Muḥ ammad Ibn Abī Ḥātim, ʿ Ilal al-Ḥadīth (Mecca: Maṭ ābiʿ al-Ḥumayḍ ī, 2006), 3:450, ḥ adīth no. 1001

[5] عثمان بن عبد الرحمن ابنِ الصلاح، معرفۃ أنواع علوم الحدیث (المعروف بہ مقدمۃ ابن الصلاح)، ترجمہ: ماہر یاسین الفحل (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2002)، 39۔

ʿUthmān ibn ʿAbd al-Raḥmān Ibn al-Ṣalāḥ, Maʿrifat Anwāʿ ʿUlūm al-Ḥadīth (known as Muqaddimat Ibn al-Ṣalāḥ), trans. Māhir Yāsīn al-Faḥl (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 2002), 39

[6] ابن دقیق العید، الاقتراح فی بیان الاصطلاح (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، بدون تاریخ)، 10۔

Ibn Daqīq al-ʿ Īd, al-Iqtiṣ āḥ fī Bayān al-Iṣ ṭ ilāḥ (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿ Ilmiyyah, n.d.), 10.

[7] محمد بن احمد ذہبی، الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث (حلب: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، 1412ھ)، 29۔

Muḥ ammad ibn Aḥ mad al-Dhahabī, al-Mūqiẓ ah fī ʿ Ilm Muṣ ṭ alaḥ al-Ḥadīth (Aleppo: Maktabat al-Maṭ būʿ āt al-Islāmiyyah, 1412 AH), 29.

[8] محمد بن محمد ابن سید الناس، النفح الشذي بشرح جامع الترمذي (ریاض: دار الصمیعي للنشر والتوزیع، 2007)، 1:31۔

Muḥammad ibn Muḥammad Ibn Sayyid al-Nās, al-Nafḥ al-Shadhī bi-Sharḥ Jāmiʿ al-Tirmidhī (Riyadh: Dār al-Ṣumayʿī li-al-Nashr wa-al-Tawzīʿ, 2007), 1:31

[9] ابراہیم بن محمد بقاعی، النکت الوفیۃ بما فی شرح الألفیۃ (ریاض: مکتبہ الرشد، 2007)، 1:295۔

Ibrāhīm ibn Muḥammad al-Biqāʿī, al-Nukat al-Wafiyyah bimā fī Sharḥ al-Alfiyyah (Riyadh: Maktabat al-Rushd, 2007), 1:295.

[10] اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر، اختصار علوم الحدیث (مع شرحہ: الباعث الحثیث)، ترجمہ و تحقیق: احمد محمد شاکر (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، n.d.)، ص:43۔

Ismāʿīl ibn ʿUmar Ibn Kathīr, Ikhtiṣār ʿUlūm al-Ḥadīth (with commentary: al-Bāʿith al-Ḥathīth), ed. Aḥmad Muḥammad Shākir (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, n.d.), 43.

[11] ابن دقیق العید، الاقتراح فی بیان الاصطلاح (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، n.d.)، ص:10۔

Ibn Daqīq al-ʿĪd, al-Iqtiṣāḥ fī Bayān al-Iṣṭilāḥ (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, n.d.), 10.

[12] محمد بن عبد اللہ زرکشی، النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح (ریاض: اضواء السلف، 1998)، 1/373۔

Muḥammad ibn ʿAbd Allāh al-Zarkashī, al-Nukat ʿalā Muqaddimat Ibn al-Ṣalāḥ (Riyadh: Aḍwāʾ al-Salaf, 1998), 1:373.

[13] احمد بن علی ابن حجر، النکت علی ابن الصلاح (مدینہ منورہ: عمادۃ البحث العلمی بالجامعۃ الاسلامیۃ، 1984)، 1/478۔

Aḥmad ibn ʿAlī Ibn Ḥajar, al-Nukat ʿalā Ibn al-Ṣalāḥ (Medina: ʿImādat al-Baḥth al-ʿIlmī, Islamic University, 1984), 1:478.

[14] النکت علی ابن الصلاح (1/478) کے محقق ڈاکٹر ربیع بن ھادی عمیر مدخلی نے بھی حافظ سے یہ شکوہ کیا ہے اور حافظ کے اس جواب پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ حافظ جیسا عظیم عالم دین ایسا کمزور مؤقف کیوں کر اختیار کر رہا ہے؟

Dr. Rabīʿ ibn Hādī ʿUmayr al-Madkhalī, editor of al-Nukat ʿalā Ibn al-Ṣalāḥ (1:478), also expresses grievance with Ḥāfiẓ and questions how such a prominent scholar could adopt a weak position.

[15] ابنِ کثیر، الباعث الحثیث الی اختصار علوم الحدیث (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، n.d.)، ص:43۔

Ibn Kathīr, al-Bāʿith al-Ḥathīth ilá Ikhtiṣār ʿUlūm al-Ḥadīth (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, n.d.), 43.

[16] عبد الرحمن بن احمد ابن رجب، شرح علل الترمذی (زرقاء، اردن: مکتبۃ المنار، 1987)، 1/393۔

ʿAbd al-Raḥmān ibn Aḥmad Ibn Rajab, Sharḥ ʿIlal al-Tirmidhī (Zarqāʾ, Jordan: Maktabat al-Manār, 1987), 1:393.

[17] عبد الرحیم بن حسین عراقی، التقیید والإیضاح شرح مقدمۃ ابن الصلاح (مدینہ منورہ: مکتبہ سلفیہ، 1969)، ص:62۔

ʿAbd al-Raḥīm ibn Ḥusayn al-ʿIrāqī, al-Taqyīd wa-al-Īḍāḥ Sharḥ Muqaddimat Ibn al-Ṣalāḥ (Medina: Maktabat Salafiyyah, 1969), 62.

[18] عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، البحر الذي زخر في شرح ألفية الأثر، مکتبۃ الغرباء الأثریۃ، سعودی عرب، 3:1242–1243۔

ʿAbd al-Raḥmān ibn Abī Bakr al-Suyūṭī, al-Baḥr al-Dhī Zakhar fī Sharḥ Alfiyyat al-Athar (Saudi Arabia: Maktabat al-Ghurbāʾ al-Athariyyah), 3:1242–1243.

[19] ابن کثیر، حاشیۃ الباعث الحثیث إلی اختصار علوم الحدیث، تحقیق: علی حسن، ص:140–141۔

Ibn Kathīr, Ḥāshiyat al-Bāʿith al-Ḥathīth ilá Ikhtiṣār ʿUlūm al-Ḥadīth, ed. ʿAlī Ḥasan, 140–141.

[20] ابن کثیر، حاشیۃ الباعث الحثیث إلی اختصار علوم الحدیث، تحقیق: علی حسن، ص:141۔

Ibn Kathīr, Ḥāshiyat al-Bāʿith al-Ḥathīth ilá Ikhtiṣār ʿUlūm al-Ḥadīth, ed. ʿAlī Ḥasan, 141.

[21] ایضاً۔

Ibid.

[22] ابن حجر، النکت علی ابن الصلاح، 1:478۔

Ibn Ḥajar, al-Nukat ʿalá Ibn al-Ṣalāḥ, 1:478.

[23] ابن کثیر، حاشیۃ الباعث الحثیث إلی اختصار علوم الحدیث، تحقیق: علی حسن، ص:141۔

Ibn Kathīr, Ḥāshiyat al-Bāʿith al-Ḥathīth ilá Ikhtiṣār ʿUlūm al-Ḥadīth, ed. ʿAlī Ḥasan, 141.

[24] ابراہیم بن محمد بقاعی، النکت الوفیۃ بما في شرح الألفیۃ، 1:299۔

Ibrāhīm ibn Muḥammad al-Biqāʿī, al-Nukat al-Wafiyyah bimā fī Sharḥ al-Alfiyyah, 1:299.

[25] ایضاً

Ibid.

[26] نور الدین عتر، الإمام الترمذی والموازنۃ بین جامعہ وبین الصحیحین، مطبعۃ لجنۃ التألیف والنشر، ط: اولیٰ، 1970، ص:191–196۔

Nūr al-Dīn ʿAṭr, al-Imām al-Tirmidhī wa-al-Muwāzanah bayna Jāmiʿih wa-bayna al-Ṣaḥīḥayn (Cairo: Maṭbaʿat Lajnat al-Taʾlīf wa-al-Nashr, 1st ed., 1970), 191–196.

[27] ترمذی، جامع ترمذی، 4:711، رقم الحدیث: 2592۔ شیخ ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

Al-Tirmidhī, Jāmiʿ al-Tirmidhī, 4:711, ḥadīth no. 2592. Shaykh Nāṣir al-Dīn al-Albānī also graded this ḥadīth as ṣaḥīḥ.

[28] ایضاً، 5:59، رقم الحدیث: 2698۔

Ibid., 5:59, ḥadīth no. 2698.

[29] النور:24:62۔

Al-Nūr 24:62.

[30] ترمذی، جامع ترمذی، 5:46۔

Al-Tirmidhī, Jāmiʿ al-Tirmidhī, 5:46.